کشور ناہید کی نثر میں تانیثی شعور: اکیسویں صدی کے تناظر میں

ڈاکٹر گلشن طارق

Dr. Gulshan Tariq

Dean of Languages,

Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Feminism has evolved into a worldwide movement in the 21st centuty. Urdu literature has also been influenced by this movement. In Urdu literature Kishwar Naheed is the most prominent name among the female writers who are flagbearer of feminism. She has expressed her feminist views not only in her poetry but also in her prose.It is considered an important document on feminism.This treatise deals with Kishwar Naheed's feminist consciousness in the perspective of 21st century.

اکیسویں صدی میں تانیثیت ایک عالمگیر تحریک بن چکی ہے، اردو ادب پر بھی اس کے اثرات پڑ چکے ہیں۔ اردو ادب اس کے اثرات جاننے سے قبل اور کشور ناہید کی نثر میں تانیثی شعور کے حوالے میں گفتگو سے قبل ہم تانیثیت کی تحریک پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

اردو لفظ تانیثیت دراصل لفظ (Feminism) فیمنزم کا متبادل ہے۔ فیمنزم لاطینی لفظ (Femina) ''فے مینا'' سے مستعار ہے۔ یہ اصطلاح اب انگریزی میں ایک مخصوص معنی میں رائج ہے۔ جس کے معنی لاطینی میں ''عورت''۔ فرانسیسی میں ''عورتوں کے حقوق'' اور انگریزی میں ''جنسی برابری'' کی تحریک کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

یورپ میں تانیثیت کا غلغلہ پندرہویں صدی عیسوی میں اٹھا۔ اس میں مدوجزر کی کیفیت سامنے آتی رہی۔ یہ ٹھہرے پانی میں ایک پتھر کے مانند تھی اس کی دوسری لہر ۱۹۶۰ء میں اٹھی جب کہ تیسری لہر کے گرداب ۱۹۸۰ء میں دیکھے گئے۔ ان تمام حالات اور لہروں کا یہ موہوم مدوجزر اور جوار بھاٹا جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑ گیا اس کا لب لباب یہ ہے کہ خواتین کو اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں حریت ضمیر سے جینے کی آزادی ملنی چاہیے۔ تاریخی تناظر میں دیکھا جائے اور ہر قسم کی عصبیت سے گلوخلاصی حاصل کر لی جائے تو یہ بات ایک مسلمہ صداقت کے طور پر سامنے آتی ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے اسلام نے خواتین کو جس عزت، تکریم اور بلند مقام سے نوازا اس سے پہلے ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔

تانیثی تحریک اپنی بیش تر صورتوں میں صنفی مساوات کی دعویدار ہے۔ صنفی مساوات کے علم برداروں میں میری وال سٹون کرافٹ (۱۷۵۹ء-۱۷۹۷ء) جو کہ میری شیلی کی ماں تھی، کا نام سرفہرست ہے۔ وال سٹون کرافٹ کی تصنیف (A

vindication of the right of the women 1792)اس معنی میں پہلی تانیثی کتاب سمجھی جاتی ہے کہ مصنّفہ نے اسے ایڈمنڈ برک کی تصنیف(A vindication of the right of the men 1790) کے جواب میں قلم بند کی تھی۔ برک نے مردوں کے حقوق پر اصرار کیا تھا اور عورتوں پر اپنی بالادستی کے چلن کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ وال سٹون کرافٹ نے نہ صرف یہ کہ عورت کو محض سامان عیش ماننے سے انکار کیا بلکہ جنسی وصنفی تصوّرِ توفق کو سختی کے ساتھ غیر فطری اور غیر منطقی نیز ایک سماجی دین ٹھہرایا۔ حقوق کے ضمن میں اس کا اصرار مساوات کے اس ڈھانچے پر تھا جسے مرد وعورت پر بغیر از تخصیص بلند و پست منطبق کیا جا سکے۔ مرد اساس ادارہ بندی پر یہ پہلی ضرب تھی۔

تانیثی تحریک کا نقش اوّل ایک خاتون کا مرہونِ قلم ہے۔ جب کہ نقشِ دوم نتیجہ ہے جان اسٹوارٹ مل کا۔ مل نے انیسویں صدی کے اواخر میں ایک مقالہ بہ عنوان محکومیِ نسواں(On the subjugtion of (women لکھا جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے مل نے دو متناقض پہلوؤں کو نمایاں کرنے کی سعی کی تھی۔ عورت بہ حیثیت ایک مطیع ،مغلوب اور تابعدار صنف کے اور اس کے مقابلے میں مرد جو تقریباً ہر شعبہ حیات وفکر میں بہ حیثیت ایک معائر ساز کے، کارکرد وسرکرد ہے اور عورت کی اس حیثیت کا ذمہ دار ہے۔ نتیجتاً معاشرے میں مرد جہاں سرگرم اور اپنے وجود کی خود تصدیق ہے، خود گر وخود نگر ہے۔ عورت محض ایک دست نگر ہے جسے نہ تو اپنی شخصیت کو خود بنانے کا حق ہے اور نہ انفرادیت کی تشکیل وتکمیل میں وہ آزاد ہے۔ تاہم مل سیاسی سطح پر عورت کے حق کے لیے اپنی آواز بلند نہیں کر سکا کیوں سیاسی صورتِ حالات عورت کے حق میں نہیں تھی۔

اس طرح تانیثی ادب اور تنقید کا ایک وسیع تر سیاق ہے اور یہ سیاق گذشتہ تقریباً دو صدیوں پر محیط ہے۔ سیاسی وسماجی اعتبار سے انیسوی صدی کے آخر میں خواتین کے حقوق کی آواز بڑی تیزی کے ساتھ ایک تحریک میں بدل جاتی ہے۔ حتیٰ کہ انہی ادوار میں ایک ہلکی پھلکی خواتین کی عسکری تنظیم بھی قائم کر لی جاتی ہے۔ جس کا مقصد تخریب کاری کے ذریعے عوام کو خواتین کے سیاسی وسماجی مسائل کی طرف متوجہ کرنا تھا، اور متنبہ بھی۔ اس تنظیم میں نوجوان لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ عرفِ عام میں غالباً مزاح کے طور پر انھیں (sufferagettes) یعنی حق رائے دہندگی کی خواستگار عورت کے نام سے پکارا جاتا تھا اور یہی نام اس کی شناخت بن گیا۔ جنگ عظیم کے دوران ان کے مطالبات پر سنجیدگی سے غور کیا جانے لگا اور انھیں بعد از جنگ حق رائے دہندگی تفویض کر دیا گیا۔ 1882 میں (Married Womans Property Act) پاس ہونے کے بعد خواتین کو ذاتی ملکیت کی خرید وفروخت کا بھی حق حاصل ہو گیا۔ مساویت کی کوششوں کی راہ میں ان کی یہ ایک بڑی جست تھی۔

اس جد و جہد کے حامیوں اور خیر خواہوں میں کئی ادیب بھی تھے۔ 1908 سیسلی ہیملٹن (1872-1952) نے (Women writers Sufferage league) قائم کی جس کے اراکین میں صحافی ڈراما نگار اور کئی دانش ور تھے۔ الزبیتھ رابنس نے سی۔اے۔ ریمنڈ کے نام سے (Vote for women 1970) نام کا ڈراما اسٹیج کیا جو کافی مقبول ہوا۔ دیگر بنیاد گزاروں میں اوشر نیر، ایم سینکلیر، اے۔ می نیل، ایس گرانڈ آر ویسٹ اور وی ہنٹ کے نام شامل تھے۔ ان عسکری خواتین یعنی (sufferagists) اور ان کے مسائل کو کئی اہم ادیبوں صحافیوں اور رسائل نے اپنا موضوع بنایا۔ اس ضمن میں Light Daysand (ورجینا وولف) Ann Veronica (ایچ۔ جی۔ ویلز) Press Cuttings (برنارڈ شا) جیسی تصنیفات نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ پین کھرسٹ اور ای پیتھک لارنس نے تانیثی تحریک اور اس کے مطالبات، مقاصد، اور اقدامات پر کئی

مضامین قلم بند کیے اسی دور میں (The common Womans Dreadnought) اور (Womans sufferage journal Cause Votes for women) نام کے جراید بھی منظر عام پر آئے اور بلاشبہ ان ادیبوں اور رسائل و جرائد نے عورتوں کے حقوق کی موافقت میں ایک مناسب فضا تیار کر دی۔

دوسری جنگ عظیم اور بالخصوص ۱۹۶۰ء کے بعد سماجی انتہا پسندی کے فروغ کے ساتھ ساتویں دہائی میں تانیثی تحریک میں شدّت پیدا ہوگئی۔ آزادیِ خواتین سے مراد ان قوانین کی تشکیل اور نفاذ تھا جن میں سماجی اور اقتصادی برابری کی ضمانت دی گئی ہو۔ ان خواتین کا اصرار سیاسی مساوات پر بھی تھا۔ نیز مردوں کی اس ذہنیت کو تبدیل کرنے کے مطالبات بھی انھوں نے کیے جو عورت کو صدیوں سے نااہل سمجھتی رہی ہے اور خود اس ذہنیت کی تشکیل میں صدیاں صرف ہوئی ہیں۔ اس تحریک کے نمائندوں میں محض عورتیں ہی نہیں تھیں، بلکہ ایسے مردوں کی بھی خاصی تعداد تھی جن کا تعلق سرگرم سیاست اور صحافت سے تھا یا وہ خود ادیب اور فن کار تھے۔ اب تانیثی تحریک محض چند آرٹیکلز اور خواتین کے حق میں لکھی ہوئی اکّا دکّا تصنیفات ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ اس کی گونج مجلس قانون ساز سے لے کر کافی ہاؤسوں، پارکوں، نکڑوں اور گھر گھر سنائی دینے لگی تھی۔

آخر کار انگلستان میں ۱۹۷۵ء میں ایک ایکٹ کے تحت ان تمام امتیازات کو غیر قانونی ٹھہرا دیا گیا جو صنف و جنس کے لحاظ سے روزگار اور گھر دار میں بالخصوص اور ترقی کے مواقع میں بالعموم روا رکھے جاتے تھے۔ اس نئی تحریک نے عورت کو جنسی شے بنا کر پیش کرنے والوں پر بھی سخت وار کیے۔ بالخصوص اشتہاری کمپنیوں، ان کے ڈائرکٹروں اور خود ماڈلز کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ گھروں میں جو اس کی پانچویں سوار کی حیثیت ہے یا اسے مفعول و مجہول محض بنا کر رکھا جاتا ہے اس کے خلاف بھی پرزور احتجاج کیا گیا بلکہ جا بجا مذمّت و ملامت کی گئی۔ جنسی تخصیص و تشخص کے برخلاف ان کا مطالبہ انھیں محض انسان سمجھنے کا تھا۔ جس طرح ایک عام سماجی فرد اپنی شخصیت کی آزادانہ تشکیل کرتا اور آزادی اظہار سے بہرہ ور ہوتا ہے، اسی طرح ایک عورت کو بھی بلا تخصیصِ جنس اپنی شخصیت آپ بنانے کی آزادی ہونی چاہیے۔ مروّج نظامِ اخلاق و تہذیب پر یہ ایک کاری ضرب تھی۔ اس طرح تانیثیت درجِ ذیل مروّج کلیوں کے رد سے عبارت ہے کہ:

۱۔ عورت بہ مقابلہ مرد کے ایک کمزور اور نازک جنس ہے۔

۲۔ عورت اور مرد کے مابین ایسی مخصوص حیاتیاتی عضویت کی تفریق ہے جس کی بنیاد پر انھیں دو علاحدہ علاحدہ خانوں اور درجوں میں رکھا جانا ضروری ہے۔

۳۔ مروّج صنفی تقسیم کے مطابق مرد و عورت کی کارکردگی، حتیٰ کے پیشہ ورانہ کارکردگی کے دو نمایاں درجات ہیں۔ اگر مرد کا درجہ اوّل ہے تو عورت کا دوم۔ اسی نسبت سے وہ دوسری درجے کی شہری ہوئی اور اس کی ملازمتیں، پیشے اور کام بھی مخصوص بلکہ ثانوی درجے کے ٹھہرے۔

۴۔ اعصابی اور جسمانی اعتبار ہی سے نہیں بلکہ ذہنی اور عقلی سطح پر بھی دونوں اجناس دو مختلف حدود کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اسی لیے تعلیم و تربیت کے شعبے مردوں اور عورتوں کے لیے مخصوص ہیں۔

۵۔ جذباتی، احتساسی اور احساساتی سطح پر بھی دونوں کے ردِ عمل میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

۶۔ عورت ایک قابلِ رحم اور مجبور صنف ہے جسے ہمیشہ مردوں کے دستِ شفقت اور پناہ کی ضرورت ہے۔

۷۔ مذہبی، اخلاقی، سیاسی اور سماجی سطحوں پر مرد اور عورت کے حقوق و فرائض کے درجے مختلف ہیں وہ کہیں داسی ہے، کہیں کنیز، کہیں کٹھ پتلی، کہیں ملکیت، کہیں نگروٗدھو، گویا وہ ایک شے Commodity: یا طبقے کی طرح ٹائپ ہے اور تابعداری جس کی تقدیر۔

تانیثیت کے مختلف رجحانات کی مختلف مفکرین نے اپنے طور پر درجہ بندی کی ہے۔ ماڈیلائن آرناٹ اور وینئر (Madeleine Arnot and Weiner-1986) نے تانیثیت پر بحث کرتے ہوئے اسے تین اہم رجحانات کے خانوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول وہ رجحان جس میں تعلیم کے حصول میں برابری کے حقوق کی بات پر زور دیا گیا ہے۔ اس کے لیے روشن خیال تانیثیت (Liberal Feminism) کی اصطلاح وضع کی گئی۔ دوم پدرانہ رشتہ یا (Patriarchal Relation) کے خلاف آواز اٹھانے والے رجحان کو انتہا پسند تانیثیت (Radical Feminism) اور طبقہ، نسل، جنس اور ساخت کے نظریات کے تحت آواز بلند کرنے یعنی (Class, Race, Gender, Structure and Idiology) والے رجحان کو اس درجہ بندی میں (Lesbian) اور (Black Feminism) کو شامل نہیں کرنے کی وجہ سے ان کی کافی تنقید ہوئی۔

میزر اور سائکس (Measor and Sikes) نے اپنی کتاب جینڈر اینڈ اسکولنگ (Gender and Schooling) میں تانیثیت کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ (۱) روشن خیال تانثیت (Liberal Feminism) (۲) انتہا پسند تانیثیت (Radical Feminism) (۳) سوشلسٹ تانیثیت (Socialist Feminism) (۴) تحلیل نفسی تانیثیت (Psychoanalytic Feminism)۔ ٹانگ (Tong) نے اپنی کتاب فیمنسٹ تھاٹ (Feminist Thought) جو ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی تھی، اس کے پیش لفظ میں تانیثیت کی سات شکلیں بتائی ہیں۔ (۱) روشن خیال (Liberal) (۲) انتہا پسند (Redical) (۳) تحلیل نفسی (Psychoanalytic) (۴) سوشلسٹ (Socialist) (۵) وجودیت پسند (Existentiallist) (۶) مابعد جدیدت (Postmodernism) اور (۷) پس ساختیات (Poststructuralism)۔

اس طرح ایک پس ساختیات (Poststructuralism) تانیثیت کا نظریہ بھی سامنے آیا۔ جس نے ثابت کیا کہ تانیثیت کی خانہ بندی کرنا بہت مشکل ہے، اس لیے کہ اس میں ہر وقت ایبا (Amoeba) جیسی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اس کے لیے کبھی عورت (Woman)، نسوانیت (Womenism) اور کبھی فیمنیٹی (Feminity) یعنی تانیثیت یعنی (Feminism) کی اصطلاح کے لیے استعمال کی جاتی رہی ہے اور اس کی پر پیچ نوعیت نے عورتوں کے تولیدی سلسلے کو طبعی بنانے میں کافی مدد پہنچائی ہے۔

ہوکس (Hooks-1984) کے مطابق تانیثیت ہمیشہ ایک تشکیل پذیر نظریہ (Theory of Making) رہا ہے اور اس نے ہمیشہ تحقیق کے نئے امکانات کے لیے اپنے دامن کو کھلا رکھا ہے۔ (۱)

جدید اردو ادب میں تانیثیت کے حوالے سے جن خواتین لکھاریوں کا اہم کردار رہا ہے، ان میں فہمیدہ ریاض اور کشور ناہید کے نام خاص طور پر اہم ہیں، فہمیدہ ریاض سے اپنی دوستی کا احوال کشور ناہید ''شناسائیاں، رسوائیاں'' میں اس طرح بیان کرتی ہیں:

''فہمیدہ سے دوستی گذشتہ چالیس برس سے قائم ہے۔ اس میں بہت سے اتار چڑھاؤ آئے

اور آنے بھی چاہئیں ۔سیاسی طور پر جتنا فہمیدہ کو ستایا گیا، اتنا کسی کو نہیں ستایا گیا۔اس کے پاس بھی پیسے ہوتے تو وہ بھی لندن یا امریکہ چلی جاتی ۔غریب تھی اس لیے ہندوستان چلی گئی۔ادھر ہندوستان کے مسلمان ادیب ، بہت ہی کم اخلاص سے اس سے ملتے تھے۔ پاکستان کا سفارتخانہ بھی خوب دشمنی نبھا رہا تھا۔میں ہندوستان گئی فہمیدہ بھا گی بھا گی مجھے ملنے اور یوسف کی موت کی تعزیت کرنے آئی۔فوراً ہمارے سفارتخانے نے میری شکایت لگائی کہ میں پاکستان دشمن خاتون سے ملی ہوں۔شکایت لگانے والے بھی بریگیڈیئر عسکری تھے جو ہمارے پریس منسٹر لگے ہوئے تھے۔''(۲)

کشور ناہید ایک دبنگ خاتون ہیں، انھوں نے اس معاشرے میں جرأت اظہار کو علمی نمونہ پہنایا ہے۔کشور ناہید معاشرے میں عورت کے مسائل سے بخوبی آگاہ ہیں، وہ معاشرتی جبر کا یوں آشکار کرتی ہیں۔

''میرے اردگرد عورت کے مسائل کا گسٹالسٹ تھا۔مونتاژ تھا۔مجھے فرائیڈین تھیوری کے خلاف زندہ رہنا تھا۔مجھے عورت کے وقار ایسے دھندآلود لفظوں کے کہرے سے نکل کر زندگی کو تلاش کرنا تھا۔مجھے ایسی کتھا کو کھولنا تھا جس کے آغاز میں انجام کا اندازہ بھی نہیں ہوتا ہے۔دلہن بنا کر پھول کی سیج پر بٹھائی جانے والی کی تقدیر میں کانٹے ہی کانٹے کیوں ہوتے ہیں۔خواب میں تتلی دیکھنے والی کو اپنے ہاتھوں میں تتلی کے رنگ دیکھنے کی آرزو آنکھوں میں آخری لمحے کی روشنی تک زندہ رکھتی ہے۔کمال یہ ہے کہ عورتوں کی عصمتوں کی حفاظت کے نعرہ باز دعویداروں کے ہاتھوں ہی عورت کی عورت اور زندگی درباختہ، دھجیاں دھجیاں بکھیرتی رہتی ہے۔''(۳)

عورت کے معاشرتی مقام کو کشور ناہید اچھی طرح جانتی ہیں، اپنی آپ بیتی ''بُری عورت کی کتھا'' میں یوں رقم طراز ہیں:

''یوں تو مغربی عورت بھی فرد بننے کو نکلتی ہے۔مگر ہوتا ہے کہ مرد، افسر، عورت سیکرٹری، مرد منتظم، عورت ٹیلی فون آپریٹر، مرد ڈاکٹر، عورت نرس، مرد پائلٹ، عورت ائیر ہوسٹس، مرد بادشاہ، عورت حرم میں داخل ہوتی ہوئی، مذہب کے راستے پر چل پڑتی ہے۔لکھنے والیوں کا تذکرہ، ان کے منصب (یعنی ان کے شوہروں کے منصب کے مطابق) ہوتا ہے۔اگر شوہر اعلیٰ افسر ہے تو لکھنے والی سب کی بھابھی، بہت ہی اچھی، نیک اور سلیقہ شعار ہے۔اگر شوہر اتنا بڑا افسر نہیں تو اس کی تحریر سے لے کر اس کا کردار تک مشکوک معلوم دیتا ہے۔پھر نمبر ملتے ہیں خوبصورتی کے لحاظ سے۔۔جواب اور منطق یہ کہ دیکھ کر جی تو خوش ہو جاتا ہے۔''(۴)

اس دنیا میں ہر شخص کا اپنا سچ ہوتا ہے، اس کا سچ دوسرے کا جھوٹ ہوتا ہے، سچ کا اصل چہرہ کہاں ہے اور اسے کیسے تلاش کیا جا سکتا ہے، احمد بشیر اپنی کتاب ''جو ملے تھے راستے میں'' میں کشور ناہید کا خاکہ ''چھپن چھری'' کے نام سے لکھتے ہیں۔اس

میں وہ اسی سچ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس نے سچ کا چہرہ کبھی نہیں دیکھا۔ دیکھ سکتی تو سچ کی تلاش چھوڑ دیتی مگر یہ تلاش اس کی زندگی کا محور ہے۔ جو سچائی اس کو زندگی میں ملی ہے، اس نے اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے سچائی کا ایک ہیولا بنا رکھا ہے جس کو سچائی سے کوئی واسطہ نہیں، وہ پوری عمر اسی ہیولے کی آرتی اتارنے میں صرف کر رہی ہے۔ اس کی زندگی کے ایک تجربے کے گرد گھومتی ہے۔ اس کو محبت میں دھتکارا گیا۔''(۵)

معاشرتی طور پر عورت کی تربیت بھی اس انداز سے کی جاتی ہے کہ وہ ظلم و ستم کو تقدیر سمجھ کر چپ رہتی ہے۔ کشور ناہید اس منظر نامے کو اس انداز سے پیش کرتی ہیں:

''عورت کی آزادی کا سفر ابھی تک منگنی کی انگوٹھی کے نگینے میں سایہ فگن ہے۔ وہ جو پیدا ہو کر دعا کے نام پر بار بار صرف ایک فقرہ سنتی ہے:

'خدا کرے نصیب اچھے ہوں۔ یہ تو مسافر ہے، مہمان ہے اس گھر میں۔'

وہ باپ اور بھائی کی تمام سختیاں اور ماں کی نصیحتیں صرف اس صبر کے ساتھ سنتی ہے کہ یہ تو اس کی آزادی کے زمانے تک پہنچنے کا راستہ ہے۔

'شادی کے بعد جو چاہے کر لینا۔'

یہ فقرہ سن سن کر سہانے خواب بُن بُن کر، وہ جس دن منگنی کی انگوٹھی پہنتی ہے تو اس کو رات کو انگڑائی اور خواب صرف مرد کے وصال کے نہیں آتے کہ یہ مرد کے برعکس ہوتا ہے۔ مرد کو صرف عورت کے وصال کی خواہش سونے نہیں دیتی ہے۔ مگر لڑکی کو تو اپنی آزادی، حکم، خواہش کا پورا ہونا، اپنی مملکت کا ہونا اور اپنی مرضی سے گھر میں رہ سکنے کا خیال بدمست کیے ہوئے ہوتا ہے۔''(۶)

عالمی سطح پر بھی کشور ناہید کا تانیثی شعور کئی نئے در وا کرتا ہے:

''۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب کو دنیا میں عورت کی آزادی اور بیداری کی سائنسی مہم کی خشتِ اول قرار دیا جا سکتا ہے۔ مارکسٹ انقلاب کا بنیادی کلیہ تھا کہ جب تک طبقاتی کش مکش اور معاشی آزادی کو انسان کی عزت و منزلت کی بنیاد نہیں بنایا جاتا، ہر قسم کی سیاسی اور ذہنی بیداری کا خواب ادھورا رہے گا۔''(۷)

کشور ناہید تانیثیت کو مغربی اور مشرقی خانوں میں بانٹنے والوں کو آگاہ کرتی ہیں:

''مشرق میں خاص کر برصغیر میں عورت کی آزادی کی تحریک مغرب کے تتبع میں نہیں بلکہ جاگیرداروں اور آقائیت کی زنجیر سے رہائی کی وہ تحریک ہے کہ جس میں عورت کو بطور فرد تسلیم کیا جائے۔ اس کو تربیت و تعلیم میں مساوی مواقع دینے کے بعد، مادی مقداریت کی توقع کی

جانی چاہیے۔مشرق کی عورت کی بیداری کی تحریک میں مغرب کی بیداری کی تحریک کی طرح یہ انقلابی قدم نہیں کہ مساوات کا مطلب ہے کہ عورتوں اور مردوں کے غسلخانے ایک ہوں گے۔''(۸)

مذہب کے خانوں میں بٹی عورت کے بارے میں کشور ناہید یوں رقم طراز ہیں:

''ہندو اور مسلم معاشرے کے اجارہ داروں نے عورت کے درجے، حیثیت اور دائرہ کار کو محدود سے محدود تر کرنے کو ہی سماجی تہذیب کا نام دیا۔اس محدودیت نے عورت کو گھر کی چار دیواری کا احاطہ بنا دیا اور چراغِ خانہ کے لقب سے یاد کر کے، معاشی طور پر محکوم اور سماجی طور پر دوسرے درجے کا شہری بنا دیا۔کسی نے کہا تھا کہ اس قدر جھوٹ بولو کہ جھوٹ سچ معلوم ہونے لگے۔بس اسی مقولے کے بمصداق، پاکستان کے معاشی سروے کے اعداد و شمار بھی یہی کہتے رہے کہ پاکستان میں کل آبادی کی صرف ۶ فیصد عورتیں کام کرتی ہیں۔''(۹)

اکیسویں صدی کی جدید عورت کو کشور ناہید ایک واضح پیغام دیتی ہیں:

''عورت میں بے چینی کا احساس اس وقت جاگا، جب اس نے اپنے بارے میں سوچنا اور حق تلفی کا احساس کرنا شروع کیا۔قربانی اور حق تلفی کو ہم معنی بنا کر پیش کرنے والوں نے، عورت کو خود رحمی کی چادر میں لپیٹ کر، اوپر سے بخیہ کر دیا تھا۔نہ ادھیڑنے کی کوشش کرے گی کہ برہنہ ہونے کا ڈر ہوگا اور نہ باہر آ سکے گی۔''(۱۰)

خواتین نے ہر دور میں تاریخی آگہی اور عصری آگہی پر توجہ مرکوز رکھی ہے۔ان کے ہاں معروضیت (Objectivity) کا عنصر نمایاں رہا ہے۔ مابعد جدیدیت کی ایک پیچیدہ (Complex) صورت حال واضح دکھائی دیتی ہے۔ پاکستان میں جب ۱۳/جون ۲۰۰۷ء کو عدالتی بحران پیدا ہوا تو حساس تخلیق کار اس سے بہت متاثر ہوئے۔ یہاں تک کہ ۱۳/جون ۲۰۰۷ء کو اس بحران کے حل کے لیے قانون دان طبقے کی اپیل پر لانگ مارچ ہوا۔

کشور ناہید نے حرف صداقت لکھنا اپنا شعار بنایا ہے۔ان کی تحریر میں مادرِ وطن سے محبت صاف جھلک رہی ہے جو کہ تانیثیت کا اہم ترین وصف ہے اور یہی ان کے اسلوب کا امتیازی وصف ہے۔اس تحریر میں انھوں نے عدلیہ پر شب خون مارنے اور انصاف کی پامالی کے مرتکب آمروں کے اقدامات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے انھیں ہدف تنقید بنایا ہے۔عوامی شعور و آگہی کو مہمیز کرنے کے سلسلے میں یہ انداز تحریر بانگ درا کی حیثیت رکھتا ہے:

''پشاور سے ملیر کراچی تک ہر شہر کے لوگوں کے چہرے کہہ رہے تھے فیض صاحب آپ نے تو کہا تھا، ''بول کہ لب آزاد ہیں تیرے'' آپ نے تو کہا تھا، ''لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے'' اب آپ بتائیں، ہم نے تو حوصلہ کیا۔اعلان کیا، مظاہرہ کیا، تو اب فیض صاحب بتائیں منافق کون ہے؟''(۱۱)

اکیسویں صدی میں دنیا ایک عالمی گاؤں میں تبدیل ہو چکی ہے اور اس گاؤں پر اس کے ہر باسی کا حق ہے خواہ وہ مرد

ہو یا عورت ، عورت بھی اب اپنے حقوق کے لیے ویسے ہی لڑ رہی ہے جیسے مظلوم طبقے کا کوئی فرد اپنے حقوق کے لیے لڑ سکتا ہے۔کشور ناہید نے بھی اردو ادب کے ایک وکیل کی حیثیت سے اپنا مقدمہ لڑنے کی کوشش کی ہے۔

حوالہ جات

1. S.Walby, Feminist Theory, London: Routledge, 2000

۲۔ کشور ناہید، شناسائیاں، رسوائیاں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص:۴۳

۳۔ کشور ناہید، عورت خواب اور خاک کے درمیان، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص:۱۱

۴۔ کشور ناہید، بری عورت کی کتھا،، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء، ص:۵۶

۵۔ احمد بشیر، جو ملے تھے راستے میں، تحقیق و ترتیب: یونس جاوید، لاہور: گورا پبلشرز، ۱۹۹۶ء، ص:۲۵۹

۶۔ کشور ناہید، عورت خواب اور خاک کے درمیان، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص:۱۳

۷۔ ایضاً، ص:۱۵

۸۔ ایضاً، ص:۲۹۔۲۸

۹۔ ایضاً، ص:۳۳۔۳۲

۱۰۔ ایضاً، ص:۴۷

۱۱۔ کشور ناہید، مضمون: عوام اور وکلا سرخرو ہیں، مشمولہ: جنگ، روزنامہ، لاہور: ۱۵ جون ۲۰۰۸ء، ص:۹

☆.....☆.....☆